(۴۹)

موجودہ سیاسی شورش اور مسلمانوں کیلئے صحیح طریقِ عمل

(فرمودہ ۲۔ مئی ۱۹۳۰ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

پیشتر اس کے کہ میں اس مضمون کو شروع کروں جو آج کے خطبہ کے لئے میں نے ضروری سمجھا ہے۔ میں اپنی جماعت کے دوستوں کو خصوصیت سے اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اِن دنوں جبکہ انہوں نے روزے رکھنے شروع کئے ہیں اور ہم میں خدا کے فضل سے اس انتظام کے ماتحت جو میں نے تجویز کیا ہے کہ تیس یا چالیس روز تک ہر پیر کو روزہ رکھا جائے ہزاروں آدمی روزے رکھ رہے ہیں اور امید ہے جتنے لوگ روزہ رکھ سکیں گے آئندہ بھی رکھیں گے۔ وہ خاص طور پر دعائیں بھی کریں کہ خدا تعالیٰ اپنا فضل نازل کرے اور جو مشکلات ہمارے راستہ میں حائل ہیں انہیں دور کر دے۔ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور غیرتیں ہماری قدرتوں اور غیرتوں سے بڑھ کر ہیں اور اس کی نگاہِ انتخاب ہماری نگاہِ انتخاب سے زیادہ حقیقی اور درست ہے اس لئے جو فیصلہ وہ کرے گا وہی بہترین ہوگا۔ پھر خصوصیت سے ان دوستوں کے لئے دعا کرنی چاہئے جو کہ ان فِتن میں کسی نہ کسی وجہ سے مبتلاء ہیں اور مختلف قسم کی تکالیف میں سے گزر رہے ہیں۔ بعض پر مقدمات دائر ہیں بعض مختلف مقامات پر مشکلات اور تکالیف میں سے گزر رہے ہیں۔ ایک مقدمہ تو آج عدالت میں پیش بھی ہے۔ قانون اس کے متعلق اجازت نہیں دیتا کہ ہم کچھ کہیں مگر وہ واقعات چونکہ ہمارے سامنے ہوئے ہیں اور ہماری آنکھوں نے دیکھے ہیں اس لئے اس بارے میں ہمارے دل تسلّی یافتہ ہیں۔ ہم نہیں جانتے عدالت اس مقدمہ میں کیا فیصلہ کرے گی

مگر وہ واقعات چونکہ ہماری آنکھوں نے دیکھے ہیں اس لئے فیصلہ خواہ کچھ ہو اس کا ہم پر کچھ اثر نہیں ہوسکتا۔ اگر عدالت ان واقعات کی تصدیق کرے تو اس سے ہمارے علم میں کوئی زیادتی نہ ہوگی اور اگر ان کا انکار کر دے تو اس سے کوئی کمی نہ ہو جائے گی۔ اور سچ بولنے پر اگر کوئی سزا ہو جاتی ہے تو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوسکتی۔ پہلے انبیاء کی جماعتیں صداقت کے لئے خوشی سے جانیں دیتی رہی ہیں۔ اگر ہماری جماعت کے چند لوگوں کو صداقت پر ہوتے ہوئے سزا ہو جائے تو مؤمن کے لئے یہ عزت کی بات ہے نہ کہ رنج وغم کی۔ دوسرے لوگوں کے ہاں موتیں ہوتی ہیں تو وہ روتے پیٹتے ہیں مگر خدا تعالیٰ اپنی راہ میں مرنے والوں کے متعلق فرماتا ہے جاؤ انہیں بشارت دے دو کہ انہیں خدا کا فضل حاصل ہوگیا۔ پس مصائب مومن کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتے مگر کسی بلا کو خود طلب کرنا نہیں چاہئے۔ میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان اصحاب کے لئے جو مختلف مصائب میں مبتلاء ہیں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل نازل فرمائے۔

آج مَیں جس مسئلہ کے متعلق اظہارِ خیالات کرنا چاہتا ہوں وہ ہے تو سیاسی مگر اسلام سیاسیات سے علیحدہ نہیں ہے بلکہ سیاسیات کا وہ حصہ جو جائز اور درست ہے وہ اسلام میں داخل ہے اور میں اسی حصہ کے متعلق آج خطبہ پڑھنا چاہتا ہوں۔

ہمارے دوست ناواقف نہیں ہیں کہ آج کل سارے ہندوستان میں کانگریس کی طرف سے پروپیگنڈا کیا جارہا ہے۔ کانگریس اپنی ذات میں ہمارے لئے کسی تکلیف اور رنج کا موجب نہیں ہے۔ وہ چند ایسے افراد کا مجموعہ ہے جو اپنے بیان کے مطابق ملک کی آزادی اور بہتری کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور کوئی عقلمند' کوئی شریف' کوئی باحیا اور کوئی انسان کہلانے کا مستحق انسان ایسے لوگوں کو بے قدری اور بے التفاتی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا جو اپنے آپ کو اس لئے مصیبت میں ڈالے ہوئے ہوں کہ اپنے ملک اور اہلِ ملک کو آرام اور آسائش پہنچائیں۔ اس لئے جس حد تک ان کے اپنے بیان اور ان کے اصول کا تعلق ہے ہمیں ان کے ساتھ کُلّی ہمدردی ہے۔ اور جس مقصد اور مدعا کو لے کر وہ کھڑے ہوئے ہیں اور جو ملک کی بہتری اور حُریّت کے سامان پیدا کرنا ہے ان کے حصول کی خواہش میں ہم کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔

ہندوستان کی آزادی اور حریت جس طرح گاندھی جی' پنڈت موتی لال نہرو' پنڈت جواہر لال نہرو' مسٹر سین' مسٹر آئنگر' ڈاکٹر ستیہ پال وغیرہ کو مطلوب ہے اسی طرح ہمیں بھی

مطلوب ہے اور ہندوستان ویسا ہی ہمارا ملک ہے جیسا ان لوگوں کا ہے اور اپنے وطن کی محبت اور آزادئ خیال اسی طرح ہمارے سینوں میں بھی موجزن ہے جس طرح ان کے سینوں میں ہے اس لئے ہم یہ سننے کے لئے کبھی آمادہ نہیں ہو سکتے کہ ہمارے دلوں میں ہندوستان کی محبت نہیں یا وہ لوگ اس بارے میں ہم سے بڑھے ہوئے سمجھے جائیں۔ لیکن دوسری طرف ہم اس بات سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ہمارا ملک ہندوستان انگریزوں کے ماتحت ہے۔ انگریزوں نے یہاں آکر جبراً قبضہ کر لیا یا رضامندی سے' انگریز یہاں خود بخود آکر قابض ہو گئے یا بُلائے ہوئے آئے' وہ ہندوستان کا مال و دولت کھینچ کر اپنے ملک میں لے گئے یا ہمیں فائدہ پہنچا رہے ہیں ان باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سترہویں صدی سے ہندوستان میں آئے اور اُنیسویں صدی سے بلکہ اٹھارہویں صدی سے ہی انہیں ہندوستان کی حکومت میں حصہ مل گیا اور اب وہ سارے ہندوستان پر قابض ہیں۔ پس اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ قانون کے مطابق ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت قائم ہے اور کوئی دوسری حکومت جو انگریزوں کے منشاء اور سمجھوتہ کے بغیر قائم ہو وہ قانونی حکومت نہیں کہلا سکتی۔ قانونی حکومت وہی کہلائے گی جو اس قائم شدہ حکومت کے سمجھوتہ سے قائم ہو بشرطیکہ اس سمجھوتہ میں کسی قوم کو بیچ نہ دیا گیا ہو۔ پس ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت قائم ہے اور از روئے قانون قائم ہے اس سے سمجھوتہ کر کے ہی کوئی اور حکومت قائم ہو سکتی ہے بشرطیکہ ایسا سمجھوتہ کرتے ہوئے انگریز کسی قوم کو بیچ نہ دیں ورنہ جنگ و جدال کا بازار گرم ہو جائے گا اور ملک میں بدامنی اور تباہی پھیل جائے گی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزوں نے کچھ عرصہ سے اہلِ ہند کو اختیارات دینے شروع کئے ہیں اور سائمن کمیشن اسی غرض کے لئے مقرر کیا گیا تھا کہ دیکھا جائے مزید اختیارات کس حد تک دیئے جا سکتے ہیں۔ ادھر ہندوستان میں اس حد تک بیداری' تعلیم' آزادی کا احساس پیدا ہو چکا ہے اور دوسرے ملک اس طرح آزاد ہو رہے ہیں کہ اب ہندوستانی خاموش بیٹھ نہیں سکتے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ دنیا کی آبادی کا ۱/۴ حصہ غیر محدود اور غیر معیّن عرصہ تک ایک غیر ملکی حکومت کی اطاعت گوارا کر سکے۔ اگر یہ مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ملک عقلمندی اور مصلحت اور دور اندیشی کے تمام قوانین کو توڑنے کے لئے کھڑا ہو جائے گا اور خواہ

اسے خودکشی کہا جائے، خواہ اس کا نام تباہی اور بربادی رکھا جائے، خواہ اسے ہلاکت اور خونریزی قرار دیا جائے ملک اس کے لئے آمادہ ہو جائے گا۔ اسے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ جو طریق اختیار کیا گیا ہے وہ خودکشی اور ہلاکت ہے۔ مگر انسانی طبائع میں ایک وقت ایسی رَو بھی چل جاتی ہے کہ وہ خودکشی کو ہی بہتر خیال کرنے لگ جاتے ہیں اور اسی کو اپنے لئے مفید سمجھ لیتے ہیں۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کئی ایک انسان جو موت کو پسند نہیں کرتے اور جان کو بہت عزیز سمجھتے ہیں ان پر بھی بعض اوقات ایسے آجاتے ہیں جبکہ زہر کھا کر یا کسی اور ذریعہ سے مرجانا پسند کرتے ہیں۔ اور جس طرح افراد پر ایسی حالت آتی ہے کہ جان دینے کی مصیبت برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور چاہے انہیں بتایا جائے کہ اگر یہ چیز کھاؤ گے تو مرجاؤ گے پھر بھی وہ کہتے ہیں ہم یہ چیز ضرور کھائیں گے، کیونکہ ہم زندہ رہنا پسند نہیں کرتے اور ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح قوموں پر بھی ایسے اوقات آتے ہیں جب وہ خودکشی کے لئے تیار ہو جاتی ہیں اور اپنی ہلاکت کو سامنے دیکھتی ہوئی اس میں کود پڑتی ہیں۔

غرض دنیا میں آزادی اور حریت کا مادہ اس قدر گہری جگہ حاصل کر چکا ہے۔ اور ہندوستان اس سے اس درجہ متأثر ہو چکا ہے کہ اب یہ زیادہ عرصہ تک بغیر سمجھوتہ کے ذریعہ قائم شدہ حکومت کے انگلستان کے ماتحت رہتا نظر نہیں آتا اور جس وقت یہ مادہ پھوٹے گا اس وقت اس کا نام خودکشی رکھا جائے یا جنون، اسے جہالت کہیں یا نادانی، تباہی کہیں یا خودکشی، ہندوستان کا بہت بڑا طبقہ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں، اس خودکشی کے لئے تیار ہو جائے گا اور اس لئے تیار ہو جائے گا کہ غیر اقوام کے ماتحت کوئی قوم ہمیشہ کے لئے نہیں رہ سکتی۔

ان حالات میں ایک طرف تو ہم کانگریس کی نیت پر حملہ کرنے اور اس کے مقصد کو بُرا کہنے کے لئے تیار نہیں اور دوسری طرف انگریزوں کا حکومت کا حق جو چلا آتا ہے اس کا انکار کرنے کے لئے تیار نہیں۔ بے شک یہ کہہ لو کہ انگریز تلوار لیکر نکلے اور اس طرح انہوں نے ہندوستان میں حکومت قائم کی لیکن مسلمانوں نے بھی تو طاقت کے ذریعہ ہی ہندوستان پر حکومت حاصل کی تھی اور ان سے پہلے آریوں نے بھی تو تلوار ہی کے ذریعہ سے حکومت حاصل کی تھی۔ پس جس قانون کے ماتحت مسلمانوں نے حکومت قائم کی، آریوں نے قائم کی، بدھوں نے قائم کی، فرانس اور جاپان کی حکومتیں قائم ہیں اسی قانون کے ماتحت انگریزوں کی حکومت بھی قائم ہے۔ اور جب اُن

حکومتوں کو جائز قرار دیا جاتا ہے اور بروئے قانون قائم شُدہ سمجھا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انگریزوں کی حکومت کو ناجائز قرار دیا جائے۔ مگر جس طرح یہ صحیح ہے کہ جب کوئی قوم کسی ملک پر قابض ہو جائے تو اس کی حکومت جائز اور درست سمجھی جاتی ہے اور اس کے خلاف فساد اور بغاوت کرنا ناجائز ہے اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ انسانی فطرت ایسی ہے جو لمبے عرصے تک دوسرے کی حکومت برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کے اس فعل کو اچھا کہا جائے یا بُرا اسے عقلمندی سمجھا جائے یا جنون، وہ تیار ہو جاتی ہے کہ یا تو آزادی حاصل کرے یا پھر مر جائے۔

ان دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی درمیانہ راستہ نکالنا بہت مشکل امر ہے کیونکہ اگر ایک طرف دنیا کا دستور، عقل اور شریعت بتاتی ہے کہ قائم شُدہ حکومت کے خلاف منصوبے کرنا، اس سے لڑنا اور بغاوت کرنا ناجائز ہے تو دوسری طرف حُب الوطنی کے جذبات، ملک کی علمی اور اقتصادی ضروریات، انسانی غیرت اور حمیت کا احساس مجبور کر رہا ہے کہ ملک کو آزاد کرایا جائے۔ اور جو اس مقصد کو سامنے رکھ کر کام کر رہے ہیں ان کی قدر کی جائے، انہیں بُرا نہ کہا جائے۔ ان دونوں باتوں کے درمیان راستہ تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے پُل صراط تیار کرنا۔ اگرچہ یہ بہت مشکل کام ہے لیکن صحیح راستہ یہی ہے اور یہی خدا کے منشاء کے ماتحت ہے لیکن افسوس ہے کہ اِس وقت یہ صحیح راستہ اختیار نہیں کیا جا رہا۔ ایک طرف کانگریس کے لوگ ایک صحیح مقصد کے لئے ایسی کارروائیوں پر اُتر آئے ہیں جو نہ آج مفید ہو سکتی ہیں نہ کل۔ آزادی اچھی چیز ہے مگر وہ آزادی حاصل کرنے کا طریق جو ہمیشہ کے لئے غلام بنا دے کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ کانگریس والے آزادی حاصل کرنے کے لئے ایسا ہی طریق اختیار کئے ہوئے ہیں جو ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے غلام بنا دے گا اور وہ طریق قانون شکنی ہے۔ کانگریس نے یہ اصول قرار دے لیا ہے کہ جو بات وہ کہے گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اسے مان لے لیکن اگر نہ مانے تو اس کے قوانین توڑے جائیں۔ یہی طریق اگر کل بھی اختیار کیا جائے گا تو کیا نتیجہ نکلے۔ فرض کر لو انگریز ہندوستان سے چلے جاتے ہیں اور ہندوستان میں ہندوستانی حاکم ہو جاتے ہیں اس وقت اسی طریق پر عمل کیا جائے یعنی جس بات کا مطالبہ کوئی قوم کرے وہ حکومت منظور کر لے ورنہ اس کے قوانین توڑ دیئے جائیں تو پھر کیا ہو گا۔ دنیا میں کوئی بات ایسی نہیں ہو سکتی جس پر سارے کے سارے لوگ متفق ہو جائیں حتّٰی کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق بھی تمام لوگ متفق نظر نہیں آتے۔ نبیوں کے متعلق بھی

اختلاف کیا جاتا ہے غرض کہ کوئی بات ایسی نہیں حتّٰی کہ انسان کا اپنا جسم بھی ایسا نہیں جس کے متعلق سب کے سب ایک بات پر متفق ہوں۔ اور جب انسان اپنے جسم کے متعلق بھی شبہات رکھتے ہیں تو اور کیا چیز ہوگی جس پر سب کے سب متفق ہوں گے۔ پس خواہ کوئی حکومت ہو اس سے اختلاف رکھنے والے موجود ہوں گے اور اگر اختلاف کی وجہ سے قانون شکنی درست ہوسکتی ہے تو پھر امن کہاں رہ سکتا ہے۔ آج اگر کانگریس والے حکومت کے خلاف قانون شکنی جائز قرار دیتے اور اس کا ارتکاب کرتے ہیں تو انہیں اس بات کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے کہ کل جب ان کی حکومت قائم ہوگی تو اس کے قوانین بھی توڑے جائیں گے اور کانگریسیوں نے جو طریق اختیار کر رکھا ہے یہ اگر کامیاب ہو جائے گا تو ہمیشہ کے لئے امن برباد ہو جائے گا۔

پس کانگریس کا موجودہ رویہ عقل کے بالکل خلاف ہے۔ پھر ان کا یہ دعویٰ ہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں نرمی اور محبت سے کر رہے ہیں سختی اور تشدّد کا اس میں کوئی دخل نہیں مگر یہ بھی غلط ہے۔ جس چیز کا نام گاندھی جی عدمِ تشدّد رکھتے ہیں دراصل وہ تشدّد ہے اور خطرناک تشدّد ہے۔ مثلاً یہی کہ وہ غیر ملکی کپڑے کی دکانوں پر پہرہ لگا رہے ہیں تا کہ خریدنے والوں کو اس کپڑے کے خریدنے سے روکیں ان کے آگے بیٹھ جائیں اگر اس طرح بھی باز نہ آئیں تو لیٹ جائیں اس سے زیادہ تشدّد اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ اس طرح دوسروں کو تشدّد کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ یہی عدمِ تشدّد اگر گھروں میں شروع ہو جائے تو اندازہ لگاؤ کیا حالت ہو۔ بچہ کو مدرسہ جانے کے لئے کہا جائے مگر وہ کھانا کھانا چھوڑ دے یا بیوی سے خاوند کوئی کام کہے اور وہ گھر کا کام کرنا چھوڑ دے اس پر خواہ مخواہ تشدّد کرنا پڑے گا۔ دراصل اس قسم کی حرکات کو عدمِ تشدّد کہنا دھوکا ہے اور وہ یا تو خود بیوقوف ہے جو اس کا نام تشدّد نہیں رکھتا یا پھر دوسروں کو بیوقوف سمجھتا ہے۔ یہ بہت خطرناک فریب ہے جو لوگوں کو دیا جا رہا ہے حقیقت میں جو تشدّد ہے اس کا نام عدمِ تشدّد رکھا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی عدمِ تشدّد ہے جیسے کوئی کسی کے چُھپ چُھپ کر چٹکیاں لے اور وہ جب اس کا مقابلہ کرے تو چٹکیاں لینے والا شور مچا دے کہ میرے عدمِ تشدّد کے مقابلہ میں تشدّد اختیار کیا جاتا ہے یا ایسا ہی عدمِ تشدّد ہے جیسا کہ ایک راجہ کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے درباری اسے ریاست سے علیحدہ کرانا چاہتے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے بار بار حکومت سے رپورٹیں کیں کہ راجہ پاگل ہوگیا ہے اور اِس کثرت سے رپورٹیں بھیجیں کہ آخر حکومت کو راجہ کے دیکھنے کے لئے

ڈاکٹر اور ایک اعلیٰ افسر بھیجنے پڑے۔ جب وہ آئے تو درباریوں نے پہلے سے ہی سازش کرلی اور اس وقت جبکہ وہ دربار میں آنے والے تھے راجہ کو چوری کرنے والے ایک نوکر نے جھک کر اس کے کان میں اسے ماں بہن کی گالیاں دیں۔ اس کی اس حرکت پر راجہ کو سخت طیش آیا اور آنا بھی چاہئے تھا اور وہ اسے مارنے لگ گیا۔ عین اُس وقت جب وہ بے تحاشا مار رہا تھا ڈاکٹر اور کمشنر دربار میں داخل ہوئے اور راجہ کی مخالف پارٹی نے یک زبان ہو کر کہا حضور! ہم سے روز ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس پر راجہ کے خلاف رپورٹ کردی گئی کہ وہ پاگل ہے۔ اب اگر کہا جائے کہ راجہ کے ساتھ چوری کرنے والے نے جو کچھ کیا وہ عدمِ تشدّد تھا تو یہ غلط ہوگا۔ گالی دینا عدمِ تشدّد نہ تھا بلکہ تشدّد تھا۔ ایسے حالات پیدا کر دینا کہ دوسرا تشدّد کے لئے مجبور ہو جائے عدمِ تشدّد نہیں کہلا سکتا اور اسے عدمِ تشدّد کہنا غلطی ہے۔

آج کل کہا جا رہا ہے کہ گورنمنٹ تشدّد کر رہی ہے لیکن بیشتر اور پیشتر طور پر کانگریس کی طرف سے تشدّد ہو رہا ہے۔ جہاں حکومت کے قانون کو اس لئے توڑا جائے کہ اس کے کام میں روکیں ڈالی جائیں یہ تشدّد ہے۔ ہاں یہ تشدّد نہ ہوتا اگر گورنمنٹ کی ملازمتیں نہ کی جاتیں' اس کے کاموں میں مدد نہ دی جاتی' اس سے تعاون نہ کیا جاتا مگر یہ کہ لوگوں کو ایک جائز کام سے روکنے کے لئے راستوں پر پہرے لگا دینا یا قانونِ نمک کو توڑنا یا سرکاری نمک کے گوداموں پر حملہ کرنا یہ کہاں کا عدمِ تشدّد ہے۔ اگر کوئی شخص گاندھی جی کے آشرم میں گھس کر ان کا اسباب اُٹھا لے تو کیا یہ عدمِ تشدّد ہوگا؟ آشرم والے تو ڈنڈے سوٹے لے کر مارنے لگ جائیں گے اسی طرح جو چال کانگریس والے چل رہے ہیں۔ کیا اسی کے مطابق کوئی ان کے جلسہ میں جا کر میز کرسی اُٹھا لے تو وہ اس کا نام عدمِ تشدّد رکھیں گے۔ یہ تو الگ رہا اسی سال ایک احمدی غلطی سے کانگریس کے پنڈال میں داخل ہوگیا تھا تو اس سے اس کے روپے چھین کر نکال دیا گیا تھا۔ پس یہ انصاف نہیں کہ جو طریق اپنے لئے پسند نہ کیا جائے وہ دوسرے کے متعلق استعمال کیا جائے اور انسان کو دشمنی اور عداوت میں بھی انصاف کو ترک نہیں کرنا چاہئے مگر کانگریس کا موجودہ رویہ اس کے خلاف ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہم یہ نہیں کہتے کہ گورنمنٹ غلطی سے بَری ہے اس کا رویہ بھی اتنا اچھا نہیں جتنا ہونا چاہئے تھا۔ اُسے سمجھنا چاہئے تھا کہ وہ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں یہاں کے نہیں اس لئے ملک میں یہ خیال پیدا ہونا لازمی ہے کہ ملکی معاملات کے حل کرنے میں ہماری

رائے بھی سنی جائے مگر اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ انگلستان میں اگر کوئی فساد ہو تو اس کے انسداد کے لئے حکومت لوگوں سے مشورے کرتی اور ان کی کمیٹیاں بناتی ہے اور پھر طریقِ عمل تجویز کرتی ہے حالانکہ ملک ان کا اپنا ہوتا ہے، حکومت ان کی اپنی ہوتی ہے مگر یہاں باہر کے آئے ہوئے غیروں پر حکومت کرنے والے اتنے فسادات کی موجودگی میں ملک سے پوچھتے تک نہیں کہ کیا کیا جائے۔ اس سے لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ جب ہم سے پوچھا ہی نہیں جاتا تو ہم ان باتوں میں کیوں دخل دیں۔ اگر ان حالات میں گورنمنٹ کو کوئی مشورہ دے اور حکومت اس سے منہ موڑ لے تو اسے کیا ضرورت ہے کہ کچھ کہے۔ اس وجہ سے وہ طبقہ جو کانگریس کے موجودہ طریقِ عمل کو ناجائز سمجھتا ہے وہ بھی دخل نہیں دیتا اور سمجھتا ہے کہ جب گورنمنٹ کو ہماری پرواہ نہیں تو ہمیں مشورہ دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ انگلستان، فرانس، جرمنی، اٹلی وغیرہ ممالک میں کبھی اس قدر فساد نہیں ہو سکتے کیونکہ جب کوئی شورش اُٹھتی ہے تو سب پارٹیوں کو جمع کر کے ان سے شورش کے دبانے کا کام لیا جاتا ہے۔ جنگ کے دنوں میں ہی باوجود ملکی اور نمائندہ حکومت ہونے کے پھر بھی اقلیتوں کو کام کرنے کے لئے بلایا گیا اور ان کے مشورہ سے کام کیا جاتا تھا انہیں کام میں حصہ دیا جاتا تھا بعض وزراء محض اس لئے مستعفی ہو گئے کہ اقلیتوں کو وزارت میں حصہ مل سکے۔ جب اپنی اور نمائندہ حکومت میں یہ حالت ہوتی ہے تو ایک بیرونی حکومت جو چھ ہزار میل دور سے آکر ایک غیر ملک پر حکومت کر رہی ہے اس سے جب جھگڑا پیدا ہوتا ہے تو اس کیلئے زیادہ ضروری ہے کہ ملک کے لوگوں کو بلائے اور ان کے سامنے یہ سوال رکھے کہ ایک طرف تو قانون شکنی کو روکنا ضروری ہے اور دوسری طرف لوگوں کے احساسات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے اب تم بتاؤ کہ کیا طریق اختیار کیا جائے جس سے دونوں مقصد حاصل ہو جائیں۔ اس طرح ملک کا ایک بڑا حصہ بدامنی کو دور کرنے کیلئے گورنمنٹ کے ساتھ ہو جاتا اور وہ لوگ سمجھتے کہ وہ اپنا کام کر رہے ہیں۔

پس گورنمنٹ کا رویہ بھی قابلِ اعتراض ہے کہ وہ لوگ جو اس سے تعاون کرنے کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے، لوگوں کی ہنسی تمسخر کا نشانہ بنتے، کئی قسم کے نام رکھاتے ہیں انہیں ایسا نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ گویا وہ موجود ہی نہیں۔

پھر یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ جو سزائیں نمک کے قانون کو توڑنے پر دی جا رہی ہیں وہ سخت ہیں معمولی دو دو تین تین دن قید کر دینا کافی ہوتا اوّل تو جرمانہ کرنا ہی کافی ہوتا۔ بلکہ میں تو شروع

میں اس رائے کا تھا کہ ایسے لوگ جو نمک بنائیں وہ ان سے چھین لیں۔ بلکہ اگر گورنمنٹ صحیح طور پر مذاق سے کام لیتی اور مذاق بھی بعض اوقات بڑا کام کر جاتا ہے تو بہت پہلے اس تحریک کا خاتمہ ہو جاتا۔ گورنمنٹ اعلان کر دیتی کہ چونکہ گاندھی جی اور ان کے ساتھی نمک بنانے لگ گئے ہیں اس لئے نمک بنانے والے کچھ ملازم موقوف کر دیئے جائیں گے اور اس طرح نمک بنانے والے محکموں میں تخفیف کر دی جائے گی۔ پھر نمک بنانے والوں کا بنایا ہوا نمک لیکر نیلام کرتے جاتے اس طرح گاندھی جی کا نمک کانگریس نہ نیلام کرتی بلکہ خود گورنمنٹ کرتی اور جو لوگ نمک نہ دیتے ان کے گرد پہرہ مقرر کر دیا جاتا۔ نہ انہیں کھانے پینے کے لئے نکلنے دیا جاتا نہ پیشاب پاخانہ کیلئے۔ اس طرح وہ بہت جلد نمک حوالے کر دیتے۔ پس اگر اس تحریک کو جو واقعی ہنسی کے قابل تھی ہنسی مذاق میں اُڑا دیا جاتا تو تھوڑے عرصہ میں یہ خود بخود ختم ہو جاتی۔ اور جب اس طرح ہوتا تو ملک سے گاندھی جی کا اثر مٹ جاتا اور لوگ سمجھ جاتے کہ یہ محض مضحکہ تھا۔ اب جب گورنمنٹ نمک بنانے والوں کو قید کر رہی ہے تو قید ہونے کو بڑی قربانی قرار دیا جا رہا ہے اور اس سے دوسرے لوگوں میں بھی جوش پیدا ہو رہا ہے لیکن اگر اس طرح کیا جاتا کہ جتنا نمک بنایا جاتا وہ پولیس چھین لیتی اور نمک بنانے والے خالی ہاتھ گھروں کو لوٹ جاتے تو چند دنوں میں ہی سارا جوش ٹھنڈا ہو جاتا۔

اس میں شُبہ نہیں کہ صرف سرکاری افسروں سے یہ کام نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اگر گورنمنٹ مشورہ کرتی تو ملک کا ایک بڑا حصہ نمک چھیننے میں اس کا مددگار بن جاتا۔ لوگوں میں تقریریں کر کے سمجھانے کیلئے تیار ہو جاتا اور اس طرح تحریک بہت جلد مٹ جاتی مگر اس طرف توجہ نہ کی گئی۔

حال ہی میں پشاور کے حادثہ کے موقع پر پولیس اور فوجوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہوں نے عوام پر تشدّد میں لیت و لعل سے کام لیا اور خود گورنمنٹ نے شائع کیا ہے کہ لوگوں میں بے اطمینانی پائی گئی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ نمک بنانے اور شہر میں پھرنے کی وجہ سے تشدّد کرنا انہوں نے جائز نہ سمجھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اوقات حکومت کا رُعب قائم کرنے کیلئے عدمِ تشدّد کے جواب میں بھی تشدّد کرنا ضروری ہوتا ہے مگر اسے عام لوگ نہیں سمجھ سکتے حالانکہ گورنمنٹ چلتی ہی رُعب سے ہے اور گاندھی جی اور اس کے چیلے یہی کوشش کر رہے ہیں کہ گورنمنٹ کا رُعب مٹا دیا جائے۔ تو رُعب کا قائم کرنا حکومت کیلئے ضروری ہوتا ہے مگر یہ عام

لوگوں کو سمجھانا مشکل ہے۔ ایسی باتیں سمجھانے والے ملک کے لوگ ہونے چاہئیں۔ اب ایک عام مجمع کا جو شہر میں جتھا بنا کر پھر رہا تھا مقابلہ کرنے سے ایک حصۂ فوج نے انکار کیا جیسا کہ کہا جاتا ہے اگر یہ بات پھیل جائے تو کیسی خطرناک حالت ہو جائے مگر انہیں لوگوں کو سمجھانے والے اگر ان کے آزاد ہم وطن ہوتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان پر اثر نہ ہوتا۔

غرض ایک طرف اگر کانگریس غلط طریق اختیار کئے ہوئے ہے تو دوسری طرف گورنمنٹ بھی غلطی کر رہی ہے اور مسلمانوں کے لئے بہت مشکل پیدا ہوگئی ہے۔ مسلمان قانون شکنی نہ کریں اور نمک سازی بھی نہ کریں مگر یہ بھی تو نہیں ہوسکتا کہ وہ ملک کی حریت اور آزادی کے لئے کچھ نہ کریں۔ لیکن اگر وہ اس کے لئے آواز اُٹھاتے ہیں تو کانگریس کے حامی اور مددگار سمجھے جاتے ہیں اور اگر خاموش رہتے ہیں تو ملک کے دشمن قرار پاتے ہیں۔ ان کی حالت بعینہٖ اس کی مصداق ہے ''گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل'' اگر بولتے ہیں تو کانگریس کے حامی کہلاتے ہیں اور اگر نہیں بولتے تو حکومت کے حامی سمجھے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی اس مشکل کا ازالہ بھی گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے مگر افسوس ہے کہ گورنمنٹ نے اس کے متعلق کچھ نہیں کیا۔ اس وقت چاہئے تھا کہ گورنمنٹ مسلمانوں کو یقین دلاتی کہ ہم تمہارے جائز حقوق تمہیں دینے کے لئے تیار ہیں۔ یا کم از کم اس بات کا اقرار کرتی کہ کانگریس سے مسلمانوں کا علیحدہ رہنا اس لئے نہیں کہ وہ نکمّے ہیں اور کچھ کر نہیں سکتے بلکہ اس لئے ہے کہ وہ قانون کا احترام کرتے ہیں اور قانون کے اندر رہ کر ملک کی ترقی کے لئے کوشاں ہیں۔ اگر حکومت اس بات کا اعتراف کرتی تو مسلمان یقیناً عملی طور پر اس کی مدد کے لئے تیار ہو جاتے اور گورنمنٹ کو کام کرنے والے لوگ مل جاتے۔

بے شک ایک حصہ مسلمانوں کا ایسا ہے جو کانگریس کے ساتھ ہے مگر یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ کانگریس نے اپنے فیصلہ میں مسلمانوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور ان کے حقوق کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ ایسی حالت میں کانگریس کا ساتھ دینا مسلمانوں کے حقوق کو تباہ کرنا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کانگریس نے کہہ دیا ہے کہ حکومت حاصل ہو جانے پر اقلیتوں کو راضی کیا جائے گا۔ اور کوئی فیصلہ اقلیتوں کی منشاء کے خلاف نہ کیا جائے گا۔ اس کے متعلق اوّل تو یہ سوال ہے کہ جب حکومت کانگریس کے ہاتھ میں آجائے گی اس وقت ان لوگوں کا کیا اعتبار ہے کہ اس وعدہ پر قائم رہیں گے۔ دوم یہی الفاظ جو اس وقت مسلمانوں کی تسلی کے لئے پیش کئے

جاتے ہیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کئے جاسکتے ہیں اوران کے اور معنی بھی ہندو کر سکتے ہیں۔ اب یہی کہا گیا ہے کہ اقلیتوں کی رضا مندی کے بغیر حکومت کے اختیارات دینے کا فیصلہ نہ کیا جائے گا۔ پنجاب میں اقلیت ہندوؤں اور سکھوں کی ہے یہاں کے متعلق کہہ دیا جائے گا کہ ہندوؤں اور سکھوں کو راضی کرلیا جائے تب اختیارات دیئے جائیں گے اور ہندو اور سکھ یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ انہیں باوجود اقلیت میں ہونے کے مسلمانوں سے جو اکثریت میں ہیں زیادہ حقوق دیئے جائیں۔ اسی طرح صوبہ سرحد اور بنگال میں ہندو اقلیت میں ہیں ان کو اُس وقت تک کچھ نہ دیا جائے گا جب تک ہندو رضا مند نہ ہو جائیں اور ہندو اسی طرح راضی ہوں گے کہ مسلمانوں سے زیادہ ان کو حقوق دیئے جائیں۔ یہی حال سندھ کا ہے اسے بھی اسی اصول سے آزادی نہ دی جائے گی۔ اُس وقت دنیا کانگریس کو حق بجانب قرار دے گی اور مسلمانوں پر ہنسے گی کہ انہیں کانگریس بیوقوف بنانے میں کامیاب ہوگئی۔ غرض انہی الفاظ کی رو سے اگر ہندو پنجاب، بنگال، صوبہ سرحد اور سندھ کو کچھ نہ دیں تو یہ کانگریس کے الفاظ کے لحاظ سے ان کے لئے جائز ہوگا۔ کیونکہ وہ کہیں گے یہی فیصلہ ہوا تھا کہ اقلیتوں کی رضا مندی کے بغیر کچھ نہ دیا جائے گا۔ ان صوبوں میں اقلیتیں چونکہ مسلمانوں کو ان کی اکثریت کے لحاظ سے حقوق دینے پر تیار نہیں اس لئے نہیں دیئے جاتے۔ اس کے مقابلہ میں جن صوبوں میں مسلمانوں کی اقلیت ہے وہاں مسلمان جتنا مطالبہ کر رہے ہیں اسے پورا کر دیا جائے تو بھی وہ اقلیت میں ہی رہیں گے اور حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہوگی۔ مثلاً یو۔ پی میں مسلمان تیس فیصدی کا مطالبہ کر رہے ہیں اسے منظور کر لینے پر بھی حکومت اسی قوم کی ہوگی جس کے ہاتھ میں ستّر فیصدی حقوق ہوں گے۔ پنجاب میں اقلیت کہتی ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ اسے حقوق دیئے جائیں مگر یو۔ پی میں اقلیت کا یہ مطالبہ ہے کہ دس کی بجائے تیس فیصدی حقوق دیئے جائیں۔ ہندو کہیں گے چلو ہم یو۔ پی میں مسلمانوں کو تیس فیصدی حقوق دیتے ہیں پنجاب میں مسلمان اقلیتوں کا مطالبہ مان لیں اب غور کرو پنجاب اور یو۔ پی میں مسلمانوں کو کیا ملا۔ مدراس میں مسلمان چھ فیصدی کی بجائے پندرہ فیصدی مانگتے ہیں۔ ہندو کہیں گے اچھا پندرہ فیصدی ہی لے لو مگر پنجاب میں جب تک مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کو راضی نہ کرلیں کچھ نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح بنگال کو کچھ نہ دیا جائے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ وہاں کے ہندو جو اقلیت میں ہیں وہ راضی نہیں۔

غرض یہ فیصلہ مسلمانوں کے لئے مفید نہیں بلکہ دھوکا ہے اور جو لوگ اس پر خاموش ہو رہے ہیں وہ اپنی نادانی کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ ذرا غور تو کریں کون سے طریق سے مسلمان ثابت کر سکیں گے کہ سندھ، صوبہ سرحد، پنجاب اور بنگال میں ہندو اقلیت میں نہیں اور پھر وہ کونسا طریق اختیار کریں گے جس سے ہندوؤں کو راضی کر لیں گے۔ اس فیصلہ کے تو یہ معنی ہیں کہ پنجاب، بنگال، سندھ، صوبہ سرحد میں جب تک ہندو راضی نہ ہوں گے کوئی اختیارات نہ دیئے جائیں گے یہ صورت تو پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ مسلمانوں کے لئے بہترین صورت یہی ہے کہ وہ قانون شکنی کا مقابلہ کریں اور ادھر گورنمنٹ سے اپنے مطالبات پورے کرانے پر قانون کے اندر رہ کر زور دیں اور ثابت کر دیں کہ ہم ایسے ہی ملک کی آزادی کے خواہاں ہیں جیسے ہندو۔ اور اس بات کو جاری رکھیں جب تک اپنے حقوق حاصل نہ کر لیں۔

میں اِس وقت اپنی جماعت سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ قانون شکنی کا مقابلہ کیا جائے ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر قصبہ کی جماعت اعلان کرائے کہ وہ قانون کا احترام قائم کرنے کے لئے گورنمنٹ کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے گی کیونکہ قانون توڑنے سے شریعت بھی ٹوٹ جاتی ہے اور ملک کا امن بھی برباد ہو جاتا ہے۔

پس میں اپنی جماعت کے لئے اعلان کرتا ہوں کہ وہ اپنی سابقہ روایت کو قائم رکھے جو حضرت مسیح موعودؑ کے وقت سے چلی آتی ہے اور اس سے پیاری روایت ہمارے لئے اور کونسی ہو سکتی ہے جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عمل کیا۔ پس چاہیئے کہ ہر جگہ اور ہر علاقہ کی جماعتیں قانون شکنی کا مقابلہ کریں اور اس طرح گورنمنٹ کو امن قائم کرنے میں مدد دیں مگر اس کے ساتھ ہی صاف طور پر کھول کر کہہ دیں کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارا ملک غلام رہے ہم اپنے اور مسلمانوں کے حقوق کا مطالبہ کرتے رہیں گے اور انہیں حاصل کریں گے۔ گورنمنٹ اعلان کر چکی ہے کہ اہلِ ہند کو آزادی دی جائے گی ہم اس وعدہ کے پورا کرنے کا اس سے مطالبہ کرتے ہیں۔ پس جماعت کو ایک طرف تو مسلمانوں کے حقوق کی خصوصاً اور ملک کے حقوق کی عموماً تائید کرنی چاہیئے اور دوسری طرف قانون شکنی کرنے والوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ ایسے لوگ ملک کے خیر خواہ نہیں بلکہ دشمن ہیں ان کا مقابلہ ضروری ہے تاکہ وہ روح کُچلی جائے جو ملک کی آزادی کو کُچلنے والی ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ ہماری جماعت جو ایک طرف تو مشکل اور نازک اوقات میں ملک اور قوم کی خدمات کر کے خراج تحسین حاصل کرتی رہی ہے اور اس طریق عمل کو صحیح اور درست قرار دیا جاتا رہا ہے اور دوسری طرف عدل وانصاف اور ملک کی بھلائی کے لئے گورنمنٹ سے تعاون کر کے اس سے اپنے تعلقات اچھے رکھتی رہی ہے اس نازک موقع پر جس سے زیادہ نازک وقت کبھی نہیں آیا اپنی سابقہ روایات کو قائم رکھے گی اور اس طرح ایک طرف تو ملک سے اپنی ہمدردی اور خیرخواہی کا اعتراف کرائے گی اور دوسری طرف گورنمنٹ سے قانون پسندی اور امن جوئی کا اقرار کرائے گی اور اس وسطی راستہ پر چلے گی جو امن اور انصاف کا راستہ ہے۔

(الفضل ۶۔ ۹۔ مئی ۱۹۳۰ء)